اسلام عالمگیر مذہب ہے

(از حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور)

مذہب کے عالمگیر ہونے کی تشریح

انسانی فطرت تمام اقوام میں بلاتخصیص نسل و وطن عالمگیر ہے۔ کوئی قوم اور کسی ملک کا انسان خواہ یورپ کا ہو یا ایشیا کا، افریقہ کا ہو یا امریکہ کا ایسا نہیں جس میں انسانی فطرت اور اس کے لوازمات موجود نہ ہوں۔ انسانی مذہب چونکہ فطرت انسانی کی تکمیل اور سعادت کے لیے آیا ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ انسانی دین بھی انسانی فطرت کی طرح عالمگیر ہو۔ اور یہی دین کے عالمگیر ہونے کا مطلب ہے۔

دینی عالمگیری کی دو قسمیں ہیں

عالمگیر دین کی دو قسمیں ہیں۔ حقیقی اور مصنوعی۔ حقیقی عالمگیری اس کا نام ہے کہ دین عالمگیر خود مدعی عالمگیری کا ہو۔ اور اس دین کے اصول بھی عالمگیر ہوں۔ یعنی خود دین میں بھی یہ دعویٰ اور اعلان موجود ہو کہ وہ عالمگیر ہے اور کسی قوم سے مختص نہیں۔ اور اس دین کے اصول بھی ایسے ہوں کہ فطرت انسانی بلاتخصیص وطن و قوم اس کو قبول کرتی ہو اور انسانی عقل میں اس کی طرف انجذاب اور کشش موجود ہو۔ بشرطیکہ عقل و فطرت انسانی کسی بیرونی ناپاکی سے آلودہ نہ ہو۔ اس معنی میں حقیقی عالمگیری ادیان عالم میں صرف اسلام کو حاصل ہے۔ باقی مذاہب، بدھ مت کنفیوشس، ٹاؤمت، شنٹومت، ہندومت کسی معنی میں بھی عالمگیر نہیں۔ کنفیوشس مت چین کی اکثریت کا مذہب ہے۔ اور شنٹو مت جاپان کی اکثریت کا۔ اور ہندومت بھارت کی اکثریت کا، اور بدھ مت اور ٹاؤمت چین و جاپان کی اقلیت کے مذاہب ہیں۔ اس میدان میں اگر اسلام کا کوئی مدمقابل مذہب ہے تو وہ صرف مسیحیت ہے۔ یہودیت بھی صرف خاندان اسرائیل کا مخصوص مذہب ہے۔ لیکن اسلام اور مسیحیت میں آگے چل کر یہ فرق واضح ہو جائے گا کہ اسلام حقیقی عالمگیر مذہب ہے۔ اور مسیحیت کی عالمگیری مصنوعی ہے۔ اور جو فرق اصل و نقل میں ہوتا ہے۔ وہی

فرق اسلام اور مسیحیت میں ہے۔ اصلی گھوڑا اور مصنوعی گھوڑا دونوں برابر نہیں۔ اور نہ مصنوعی گھوڑے پر وہ آثار و نتائج مرتب ہو سکتے ہیں جو اصلی گھوڑے پر مرتب ہوتے ہیں۔ لہذا تکمیل انسانی، اور سعادت وفلاح بشریت کے بہترین نتائج سے مسیحیت محروم ہے۔ اس کے برخلاف تاریخ کے ہر دور میں اسلام ان عمدہ اور بہترین نتائج کا حامل رہا ہے جن کا خود غیر مسلم مؤرخین نے بھی با دل ناخواستہ اعتراف کیا ہے۔ ہم صرف چند حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں:

انگلستان کا مشہور مؤرخ گبن تاریخ سلطنت روما کی پانچویں جلد کے پچاسویں باب میں لکھتا ہے کہ "شریعت اسلام ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔"

مسٹر کارلائل لکھتے ہیں:

"شریعت اسلام کے قوانین وضوابط کا لوہا آج بھی بایں ہمہ ترقی وحکمت دنیا ماننے پر مجبور ہے۔"

مسٹر ڈی رائیٹ مشہور نامہ نگار انگلستان لکھتے ہیں:

"تاریخ انسانی میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں کہ جس نے احکام خداوندی کو اس مستحسن طریقہ سے انجام دیا ہو جس طرح پیغمبر اسلام نے دیا ہے۔"

حقیقی عالمگیری دین کی شناخت کا صحیح معیار

دین عالمگیر کی معرفت کے لیے عقلاً حسب ذیل معیار ہو سکتے ہیں:

۱۔ پہلا معیار یہ ہے کہ خود اس دین میں عالمگیر ہونے کا دعوائے موجود ہو۔ یعنی خود دین یہ اعلان کرے کہ وہ عالمگیر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دین خود کسی خاص قوم کے لیے مختص ہونے کا اقرار کرے۔ یا کم از کم بین الاقوامی اور عالمگیر ہونے سے خاموش ہو اور اس دین کے ماننے والے کسی مصلحت کے تحت اس کے عالمگیر ہونے کا دعوائے کر دیں۔ اس صورت میں مدعی سست، گواہ چست والا معاملہ ہو جائے گا جو کسی عدالت میں قابلِ پذیرائی نہیں۔

۲۔ دوسرا معیار یہ ہے کہ اس میں خالق کائنات کا خالص توحیدی تصوّر موجود ہو جو فطرت کائنات کے مطابق ہے۔ کیونکہ نظم کائنات اور قوانین فطرت میں یکسانیت و وحدت موجود ہے جو سائنس کے قوانین کی بنیاد ہے۔ اگر اشیاء کے خواص میں یگانگت نہ ہوتی۔ اور وہ روز بدلتے یا کسی وقت میں کچھ اور دوسرے وقت میں کچھ اور ہوتے تو سائنس کی ترقی ختم ہو جاتی۔ اور قوانین قدرت میں سے کسی قانون

پر اعتماد باقی نہ رہتا۔ اور نہ اس سے استفادہ ممکن ہوتا۔ نظم کائنات کی یہ وحدت ناظم کائنات کی وحدت کی دلیل ہے۔ اسی بنا پر کوئی ایسا دین عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں جس میں خالق کائنات کا خالص توحیدی تصور موجود نہ ہو بلکہ اس میں شرک کی آمیزش ہو۔ جیسے مسیحی دین میں ہے۔

۳۔ انسان فطرتاً دین و دنیا روح و جسم دونوں کے سازوسامان کا محتاج ہے۔ اس لیے وہ دین عالمگیر ہوگا جس نے دین و دنیا، روح و مادہ دونوں کے فوائد کو جمع کیا ہو۔ اور دونوں کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہو۔

۴۔ وحدتِ حق: حق فطرتاً قابل تقسیم نہیں۔ اور نہ کسی زمان و مکان یا قوم سے مختص ہے۔ مثلاً دو دونی چار حق ہے۔ ہر ملک اور ہر زمانے میں یہی حق حق رہے گا۔ آسمانی حق جو انسانوں تک بذریعہ انبیاء علیہم السلام پہنچا ہے۔ وہ اصولی طور پر ایک ہے۔ اور اس کے لانے والے رسل و انبیاء سب کے سب حق پر تھے۔ لہٰذا فطرتِ انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ دین عالمگیر میں اس امر کی قطعاً گنجائش نہیں کہ بعض انبیاء کو تسلیم کیا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے۔ اگر کوئی دین ایسا ہے جس میں تفریق بین الرسل ہو وہ فطری اور عالمگیر دین نہیں ہو سکتا۔

۵۔ وحدت نسبت و مساوات انسانی: انسان کو خالق کائنات کے ساتھ عمومی نسبت ایک ہے اور وہ نسبت ہے خالق اور مخلوق کی اور عبد اور معبود کی یعنی خالق کائنات سے کسی خاندان یا قوم کا بجز عبدیت کے اور کوئی رشتہ نہیں۔ سب یکساں طور پر اس کے بندے اور مخلوق ہیں۔ لہٰذا جو کچھ فرق مراتب ہوگا وہ عبدیت کی بنیاد پر ہوگا۔ اطاعت کی اساس پر ہوگا۔ نسل اور قوم کی بنیاد پر نہ ہوگا۔ اور قانونِ عدل کی نگاہ میں سب مساوی ہوں گے۔

۶۔ قوتِ اصلاح: بدن کے علاج کے لیے وہی دوا استعمال کی جاتی ہے جس میں اصلاح مرض کی تاثیر موجود ہو اور جس قدر وہ تاثیر قوی ہوتی ہے وہ مقبول عام بن جاتی ہے۔ اور عالمگیر صورت اختیار کر لیتی ہے۔ پھر جس طرح انسان کو جسمانی امراض کے لیے دوا کی ضرورت ہے۔ اس سے زیادہ روحانی امراض کے ازالہ کے لیے اس کو روحانی دوا کی ضرورت ہے۔ کیونکہ روح بدن پر حکمران ہے۔ حکمران کی درستی رعیت کی درستی ہے۔ بدن کا جسم چونکہ زمین سے بنا ہے۔ اس لیے اس کی دوا بھی زمین ہی سے حاصل کی جاتی ہے۔ اور روح چونکہ آسمانی ہے اس لیے اس کی دوا بھی آسمانی ہوگی جو دین الٰہی ہے۔ دین الٰہی اور اس کی عالمگیری اس کی اصلاحی قوت سے معلوم کی جاتی ہے۔

۷۔ شانِ جامعیت: امراض جسم و روح کی قسمیں چونکہ مختلف اور متعدد ہیں۔ اس لیے عالمگیر دین وہ ہوگا جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی دوا موجود ہو۔ خواہ اعتقادی شعبہ ہو یا اخلاقی، معاشرتی ہو یا سیاسی۔

معاشی ہو یا معادی، دنیاوی ہو یا اخروی، ایسا نہ ہو کہ اس دین میں صرف چند مذہبی رسوم پر اکتفا کیا گیا ہو۔

۸۔ معقولیت: فطرت انسانی میں ایک امتیازی وصف عقل ہے۔ اگر کوئی دین ایسا ہو جس کے اصول عقل کے لیے قابل تسلیم ہوں تو وہ دین عالمگیر ہے ورنہ نہیں۔

۹۔ دنیا و آخرت کے درمیان صحیح ربط اور دونوں میں اعتدال۔

۱۰۔ دوام دین و محفوظیت۔

معیار اوّل اور "دعوائے عالمگیری":

آج کل مسیحی پادری اس امر پر زور دے رہے ہیں کہ مسیحیت عالمگیر ہے۔ لیکن یہ مصنوعی عالمگیری ہے۔ کیونکہ وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ مسیحی دین اس لیے عالمگیر ہے کہ مسیحیوں نے انجیل اور بائیبل کی دنیا کے مختلف زبانوں میں تراجم کیے ہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں مشنری بھیجے گئے ہیں۔ مسیحیوں کی بڑی بڑی سلطنتیں موجود ہیں جو دین مسیحی کے عالمگیر ہونے کی دلیل ہیں۔ لیکن یہ سب امور مسیحیوں کے فعل و عمل سے وجود میں آئے ہیں۔ جس سے مصنوعی عالمگیری تو ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن حقیقی عالمگیری ثابت نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ خود دین مسیحی میں ایسا ثبوت موجود نہ ہو کہ وہ تمام انسانوں کے لیے ہے نہ صرف کسی خاندان کے لیے۔ لیکن انجیل اس دعوے کے ثبوت سے خالی ہے۔ بلکہ قرآن اور انجیل دونوں کی متفقہ تصریحات بتا رہی ہیں کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام دونوں کی شریعت کا تعلق صرف خاندان اسرائیل سے تھا۔ لیکن اس کے خلاف قرآن کا صاف اعلان ہے کہ وما ارسلناك الا رحمة للعلمين اور وما ارسلناك الا كافة للناس اور يايها الناس انى رسول الله اليكم جميعا کہ قرآن و اسلام کسی قوم یا خاندان سے مختص نہیں۔ بلکہ وہ عالمی اور بین الاقوامی دین ہے۔ جو ہر قوم اور ہر زمانے کے لیے ہے۔ انسانی فطرت جس طرح عالمگیر ہے اسلام بھی اسی طرح عالمگیر ہے۔ اسلام درحقیقت فطرت کی اصلی تصویر ہے۔

دین عالمگیر کا معیار دوم اور "توحید خالص"

دین کا مرکزی نقطہ خالق کائنات کا صحیح تصوّر ہے۔ اسلام نے خالق کائنات کی عظمت اور اس کی ذات وصفات و افعال کی وحدانیت کا جو اعلیٰ اور معقول تصوّر پیش کیا ہے اس کی نظیر کسی دین میں موجود نہیں عقل انسانی اور فطرت بشری کے لیے خداوند تعالےٰ کے متعلق اگر کوئی تصوّر قابل قبول ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسلامی

تصور توحید ہے۔ کائنات میں جو قوانین قدرت وضوابط عمل غیر محدود زمانے سے جاری اور ساری ہیں ان میں پوری یگانگت اور کامل یکسانیت موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نظام کائنات میں پوری وحدت ہے۔ اور اس وجہ سے عقل اس یقین پر مجبور ہے کہ جس ذات کے ہاتھ میں نظام کائنات کی باگ ڈور ہے وہ ایک ہی ہے۔ اور یہی توحید خالص انسانی عقل کا فطری و مرکزی نقطہ ہے جو صرف اسلام میں موجود ہے نہ مسیحیت وغیرہ ادیان میں۔ خالق کائنات کا یہ تصور توحید انسانیت کا عالمگیر بین الاقوامی اور بین الانبیائی عقیدہ ہے۔ وما ارسلنا قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون ؂

خدا کے متعلق مسیحی تصوّر

خدا کے متعلق مسیحی تصوّر یہ ہے کہ خدا تین شخصوں کا مجموعہ ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس کا۔ اور پھر جب سوال کیا جاتا ہے کہ ایک خدا میں تین شخص کس طرح ہوئے تو جواب ملتا ہے کہ تم ٹھیک نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ایمان کا یہ ایک بھید ہے (مسیحی تعلیم ص ۳۰)۔ کیا اس توحید در تثلیث اور تین مل کر تین ہونے کے بجائے ایک ہونے کو کوئی ایک عقل مند شخص بھی مان سکتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو عالمگیر طور پر تسلیم کیا جائے۔

دوسرا عیسائی فرقہ حضرت عیسٰی کو پورا خدا مانتا ہے۔ قرآن نے اس کی تردید کی اور توحید خالص کا اعلان کیا۔ جو تمام انبیاء علیہم السلام کا اصلی دین ہے۔ اور تثلیث خود ساختہ اور من گھڑت دین ہے جس کو غلط طور پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ باوجود تحریف در تحریف کے دین فطرت کی یہ حق آواز آج تک بھی انجیل و تورات میں موجود ہے۔

انجیل مرقس باب ۱۲۔ آیت ۲۸-۲۹ میں ہے "یسوع نے فرمایا اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔"

تورات، سفر استثنا باب ۶ آیت ۴ میں ہے "سن اے اسرائیل خداوند ہی ہمارا ایک خدا ہے۔"

عالمگیر دین کا تیسرا معیار

"ہمہ جہتی ترقی" انسان چونکہ بدن اور روح دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور دونوں کی ترقی انسان کا فطری مطلوب ہے یعنی مادی اور روحانی ترقیاں یکساں مقصود ہیں۔ کسی ایک جزء کی ترقی کامل اور صحیح ترقی نہیں۔ بلکہ بدن سے زیادہ روح کی ترقی ضروری ہے کہ وہ بدن پر حکمران ہے۔ اور بدن کو استعمال کرتی ہے۔ اگر بدن ترقی یافتہ ہو اور روح غیر ترقی یافتہ تو یورپ اور امریکہ کی طرح وہ روح مادی ترقی کو اپنی ناجائز خواہشات

میں استعمال کرے گی۔ اور جوش تعصب نسلی و قومی کی وجہ سے انسانی کشت و خون کی وہ قیامتیں برپا کرے گی جس سے انسانیت کے لیے دنیا جہنم کدہ بن کر رہ جائے گی۔ اور دنیا سے راحت، اطمینان، چین رخصت ہو جائے گا جیسا کہ گذشتہ دو عظیم جنگوں میں دنیا نے دیکھ لیا۔ مسیحی دین، بدھ ازم، اور ہندومت میں سارا زور بدن کے جائز تقاضوں کو کچلنے پر صرف کر دیا گیا ہے۔ اور دنیا سے بے تعلقی، تجرّد، اور ریاضات شاقہ کو دین سمجھ لیا گیا ہے۔ جو فطرت کے خلاف جنگ ہے۔ فطرت انسانی کا تقاضا یہ نہیں کہ انسانی خواہشات کا ازالہ ہو بلکہ ان کا امالہ مقصود ہے۔ کہ ان کو صحیح محل میں استعمال کیا جائے اور غلط محل میں ان کے استعمال کو روکا جائے۔ یہی فطری تعلیم ہے جو صرف اسلام میں ہے۔

اسلام دین و دنیا بدنی اور روحی ترقی کا جامع ہے

اسلام نے بدنی منافع و فوائد اور مادّی ترقی سے گریز کو رہبانیت سے تعبیر کر کے اس کی تردید کا اعلان کیا ہے۔ ولا رهبانية فی الاسلام اس خالص رہبانی تصور کے خلاف زندگی کا خالص مادّی تصوّر ہے جو یورپ، امریکہ اور ان کے مقلدین کا عملی دین ہے۔ جس میں سارا زور اس پر صرف کیا جاتا ہے کہ مادّی اور بدنی خوش حالی حاصل ہو اور بس۔ روح کی بلندی اور پاکیزگی کو انھوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ غم اور خوشی کا اصلی میدان دل اور روح ہے۔ نہ مادہ اور بدن جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جدید انسان کے پاس اگرچہ مالی فوائد کا بے انتہا سامان موجود ہے۔ لیکن خوشی، اطمینان، دل کا چین موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دورِ ترقی و خوش حالی میں خودکشی کے جس قدر واقعات پیش آتے ہیں انسانی دورِ غربت و افلاس کی پوری تاریخ میں اس کا دسواں حصّہ بھی پیش نہیں آیا۔

اسلام نے ایک طرف، عقائد، اخلاق اور عبادات کا وہ بہترین نظام انسان کو دیا جس کی وجہ سے انسانی روح اور انسانی حیات خالق ارواح اور خالق حیات سے مکمل طور پر مربوط ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عالم تغیّر کی کوئی آفت اور بدلتی دنیا کا کوئی واقعہ اس کے اطمینان کو ڈگمگا نہیں سکتا۔ حقیقی مسلمان درویشی میں بھی امیر سے زیادہ خوش حال ہوتا ہے۔ کیونکہ تعلق باللہ قناعت پیدا کرتا ہے۔ جو حقیقی غنا ہے۔ اور تعلق بالمال سے حرص پیدا ہوتی ہے جو غربت اور محتاجی ہے۔ غنا اور حاجت کا مرکز قلب ہے نہ مال۔

قناعت سے مراد بقول امام ربانی مجدد الف ثانیؒ حرص دنیا کی کمی ہے۔ کہ نہ کسی چیز کے آنے کی خوشی ہو اور نہ جانے کا غم۔ امام غزالیؒ نے فرمایا ہے۔ خواہشات پر غالب آنا فرشتوں کی صفت ہے۔ اور خواہش سے مغلوب ہونا حیوانیت ہے جو چوپائیوں کی صفت ہے۔ معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ دولت کے بھوکے کو کبھی راحت

نصیب نہیں ہوتی۔ مفلسی بھی خطرناک ہے لیکن وہ دولت مندی جس کے ساتھ ضبط نفس نہ ہو وہ غریبی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ امام حسن بصری کا قول ہے کہ خالی پیٹ شیطان کا قید خانہ ہے اور بھرا پیٹ شیطان کا اکھاڑہ ہے۔

شفیق بلخی نے فرمایا کہ لوگ چار باتوں میں اللہ کی موافقت کرتے ہیں اور عمل میں خلاف کرتے ہیں۔ (۱) کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ اور عمل آزادوں جیسے کرتے ہیں (۲) کہتے ہیں کہ اللہ ہمارے رزق کا کفیل ہے اور دل ان کے مطمئن نہیں مگر دنیا کی چیز سے (۳) کہتے ہیں کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ لیکن دنیا کے لیے مال جمع کرتے ہیں اور آخرت کے لیے گناہوں کو (۴) کہتے ہیں کہ ہم ضرور مرنے والے ہیں لیکن عمل ایسا کرتے ہیں کہ گویا کبھی مرنا ہی نہیں۔

دین و دنیا کے کاموں میں راہِ اعتدال وہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ جائز دنیا کے لیے ایسا کام کرو کہ گویا اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور آخرت کے لیے ایسا کام کرو کہ گویا کل مرنا ہے اعمل لدنیاك کانك تخلد ابداً و اعمل لآخرتك کانك تموت غداً۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة۔ حضرت فاروق اعظمؓ کا قول ہے کہ کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ تلاشِ رزق سے بیٹھ جائے اور دعا کرے کہ اے خدا مجھ کو رزق دے۔ کیونکہ تم کو معلوم ہے کہ آسمان سے سونا، چاندی نہیں برستا۔ (مخزن الاخلاق)

چوتھا معیار۔ "قوتِ اصلاح"

اصلاح ضبط نفس اور خود غرضی کے مٹانے کا نام ہے۔ جو مذہب اصولاً ان دو امروں کو پورا کرے وہ مذہب عالمگیر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تمام فسادات کی جڑ یہی دو امر ہیں۔ مسیحی مذہب کا یہ فلسفہ کہ جو آدمی حضرت مسیح کی الوہیت اور ان کے مصلوب ہونے پر ایمان لائے تو اس کا صرف یہی اعتقاد اس کے تمام اگلے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے ایسا فلسفہ ہے جس سے نہ صرف اصلاح عمل اور نیک کرداری کی جڑ کٹ جاتی ہے بلکہ نفس انسانی گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کفارے پر یقین کی وجہ سے بڑے سے بڑے گناہ کے ارتکاب میں وہ کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ آج کل بھی اگرچہ مسیحی دنیا پوری تعلیم یافتہ ہو چکی ہے لیکن تمام دنیا کی خونریزیوں کی ذمہ داری ان ہی پر ہے۔ اور اقوام و ملل کی کل خانہ جنگیوں اور کشت و خون کا اصلی سبب ان ہی کی شر انگیز اور فساد خیز سیاست ہے۔

مسلمانوں کی عراق، مصر و شام پر ہزار سال سے زیادہ حکومت رہی۔ لیکن وہاں اب تک عیسائی موجود ہیں۔

مسلمانوں نے چھ سو سال اسپین پر حکومت کی لیکن مسیحیوں کو جب اسپین پر غلبہ حاصل ہوا تو ایک مسلمان کو بھی وہاں زندہ نہ چھوڑا۔ بلکہ مسلمانوں کی قبروں تک کا بھی باقی رکھنا گوارا نہ کیا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ضبط نفس کے لیے ان کو قانون مجازاۃ اعمال پر یقین نہیں تھا۔ بلکہ عقیدہ کفارہ نے ان کو ہر گناہ کے بد انجام سے بشرطیکہ سیاسی اور دنیوی مصلحت اس کے خلاف نہ ہو بالکل بے پروا کر دیا۔

اس کے برخلاف اسلام کا یہ پختہ تصور ہے کہ ہر مجرم یہ یقین کرے کہ وہ جب بھی کوئی جرم کرتا ہے۔ کائنات عالم کا حاکم اعلیٰ اس کو دیکھتا رہتا ہے۔ اور اس کی حکومت کے غیر محسوس کارندے اس کے اعمال کو ریکارڈ کرتے رہتے ہیں۔ جو حاکم اعلیٰ کی بارگاہ میں وقت مقررہ پر پیش کیے جائیں گے۔ اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔ جس پر عدل الٰہی کے تحت مجرم کو سزا دی جائے گی اور وہ ایسی سزا ہوگی جس کی دردناکی کے آگے پوری دنیا کی ساری سزائیں پرکاہ کی برابر بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اسلام کی یہی قوت اصلاح تھی جس نے عرب جیسی جرائم پیشہ بے تعلیم قوم کو دس پندرہ سال کے مختصر عرصہ میں ایسا پاکیزہ با اخلاق، خدا ترس، عدل پرور قوم بنایا کہ بقول مستشرقین یورپ کے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آسمان سے فرشتے اتر کر زمین پر پھر رہے ہیں۔ اسلام کی اس قوتِ اصلاح اور حیرت انگیز موثریت کو غیر مسلموں تک نے اس دورِ فساد کا صحیح علاج بتایا ہے۔ اور درحقیقت عالمگیر دین بھی وہی ہوسکتا ہے جو نوع انسانی کی اس عالمگیر اصلاحی ضرورت کو پورا کرتا ہو۔ اور تخریبی قوتوں کو کنٹرول کر سکتا ہو۔ اصولاً ایسا مذہب صرف اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا سے لائی ہوئی ہدایات ہیں۔

لارڈ برنارڈ شا مشہور ادیب انگلستان کو اقرار ہے کہ "اس دورِ حاضر کی اصلاح قطعاً ناممکن ہے جب تک پیغمبر اسلامؐ جیسی شخصیت کو موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر نہ بنایا جائے۔"

مسٹر گارڈین لکھتے ہیں کہ قدرت کی قوتوں پر فتح پانا نہیں۔ بلکہ انسان کے اندر جو شیطانی قوتیں ہیں ان پر فتح پانا حقیقی کامیابی ہے۔

دین عالمگیر کی جانچ کا پانچواں معیار

حق جس نبی کو ملا ہو جس زمانے میں ملا ہو۔ اس کو اصولاً تسلیم کرنا دین کے عالمگیر ہونے کی بڑی دلیل ہے۔ غیر سماوی ادیان نے تو سرے سے نبوّت کو تسلیم ہی نہیں کیا اور نہ صرف یہ کہ تمام مسلم رسل و انبیاء علیہم السلام کی صداقت کا انکار کیا۔ بلکہ اس کی جگہ خدا کو انسانی صورت میں متشکل کرنے کا من گھڑت مسئلہ ایجاد کیا جس کو اوتار کہا جاتا ہے۔ مسیحی اور یہودی ادیان پر بھی جو کہ بنیادی طور پر سماوی دین تھے اس ضمنی تصور کا اثر پڑا۔ چنانچہ انھوں نے بھی حضرت مسیحؑ اور حضرت عزیر کو خدائی شکل دے دی۔ یہود نے

حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی نبوّت و رسالت کا انکار کیا۔ اور عیسائیوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں گروہوں نے حق کو تقسیم کیا۔ اور صداقت کو اپنے گروہ کے ساتھ مختص کر دیا۔ اور اس لیے حق کا دائرہ بجائے عالمگیر ہونے کے محدود ہو کر رہ گیا۔ اس کے برخلاف قرآن حکیم نے حق و صداقت کی وحدت کا اعلان کیا اور مسلمانوں کے لیے تمام انبیاء اور رسل خداوندی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کلّ امن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ (الآیہ)۔ اس آیت میں تفریق بین الرسل یعنی بعض رسولوں کے ماننے اور بعض کا انکار کرنے کو منافی ایمان قرار دیا گیا ہے۔ جو اسلام کے عالمگیر ہونے کی واضح دلیل ہے اور جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ان تمام صداقتوں کا جو مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء کے ذریعہ انسانوں کو دی گئی تھیں ایک آخری اور جامع مجموعہ اور کل ہے جو کسی خاص زمانے اور ملک و نسل سے مختص نہیں بلکہ کل اقوام عالم کی ایک مشترکہ صداقت ہے۔

دین عالمگیر کا چھٹا معیار

دین انسانوں کے لیے اللہ جل جلالہٗ کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات ہے۔ اللہ کا انسانوں کے ساتھ صرف ایک ہی تعلق ہے اور وہ تعلق عبدیت ہے۔ اس رشتہ عبدیت کے سوا خدا کا انسانوں کے ساتھ اور کوئی رشتہ نہیں۔ لہذا خدا کی بارگاہ میں جو فرق مراتب ہوگا رشتہ عبدیت کی بنیاد پر ہوگا نہ قوم و نسل کی بنیاد پر۔

الٰہی دین میں یہود و نصاریٰ کی طرح نحن ابناء اللہ واحبائہ اور ہندو مذہب کی برہمنیت کا کوئی نسلی تصور ممکن نہیں ورنہ وہ دین الٰہی اور دین عالمگیر نہ ہوگا۔ بلکہ نسلی برتری کو قائم رکھنے کے لیے ایک علاقائی اور نسلی نظریۂ حیات ہوگا۔ اسلام کے سوا اکثر ادیان میں یہی تصور پایا جاتا ہے۔

ہندوستان میں برہمن اور شودر کا فرق اور یورپ و امریکہ میں کالے گورے کا امتیاز اس نسلی تصور کا اثر ہے جو اس دور تعلیم و دعوائے مساوات میں بھی اب تک ان مذاہب کے ماننے والوں میں عملاً موجود ہے۔ یہاں تک کہ ان کے کنوئیں اور مندر اسی طرح سکول اور گرجے الگ الگ ہیں۔ جو سب اس امر کی دلیل ہیں کہ ان مذاہب میں عالمگیر ہونے کی روح موجود نہیں بلکہ محدودیت اور نسلیت ہے۔ اس کے برخلاف اسلام نے اعلان کیا ہے کہ یایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کہ نسل و قومیت محض شناخت کے لیے ہے۔ اور شرف انسانی کا مدار کمال عبدیت اور تقویٰ پر ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے اعلان فرمایا لا فضل لعربی علی عجمیّ ولا لعجمی علی عربی ولا للاسود علی الاحمر ولا للاحمر علی الاسود

الاّ بالعلم و التقوی یعنی کسی عرب کو عجمی پر اور عجمی کو عرب پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر برتری نہیں بجز علم و تقویٰ کے:

نے افغانیم نے ترک و تتاریم چمن زادیم از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

دین عالمگیر کا ساتواں معیار

شانِ جامعیّت۔ انسانی امراض کی بے شمار قسمیں ہیں۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں امراض لاحق ہوتے ہیں۔ لہذا دین عالمگیر وہی ہوگا جس میں تمام امراض انسانی کا علاج موجود ہو۔ اور اعتقادی، اخلاقی، معاشری، معاشی عباداتی اور سیاسی، بین الاقوامی تمام شعبہ ہائے حیات انسانی کے لیے اس دین میں کامل ہدایات موجود ہوں۔ تاکہ زندگی کا ہر شعبہ تمام امراض و خامیوں سے پاک ہو کر صحیح توانائی کا حامل ہو سکے۔
اور فرد جماعت کی زندگی حقیقی و اصلی مسرتوں سے ہم آغوش ہو سکے۔ نہ یہ کہ اس میں صرف چند مختصر مذہبی رسومات ہوں۔ یہی وہ شان جامعیت ہے جو فطرت انسانی کی طرح ہمہ گیر ہے، اور جس سے دین عالمگیر کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس معیار پر عالمگیر دین صرف اسلام ہے جس میں زندگی کے تمام شعبوں کے لیے مکمل حکیمانہ قوانین موجود ہیں اور وہ فطرتِ انسانی پر ایسے فِٹ ہیں کہ دشمنانِ اسلام نے بھی آج تک چودہ سو سال گذر جانے کے باوجود کوئی نقص ان میں نہیں نکالا۔ بلکہ غیر مسلم اقوام انسان کے فطری تقاضوں سے مجبور ہو کر اسلامی قوانین کو برابر اپنائے چلی جا رہی ہیں۔
جیسے کہ تحریم شراب اور ضرورت طلاق وغیرہ ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد انگلستان میں تکثیر جرائم کو دیکھ کر وہاں کے ماہرین نے اس کا حل سزا تازیانہ ہی کو قرار دیا۔ اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا گیا۔ جس سے جرائم بند ہوئے۔ طلاق کے مسئلہ پر یورپ اور امریکہ نے عمل کیا۔ اور شراب کی مضرتوں کی تحقیق کے بعد بندش شراب کی تحریک امریکہ میں چلائی گئی۔ اگرچہ تمام ذرائع کے استعمال کرنے کے باوجود اس تحریک میں وہ اس لیے کامیاب نہ ہو سکے کہ دینی گرفت سے جن طبائع کو ایک بار آزاد کرکے ان کو خالص حیوانی راہ پر ڈال دیا جائے، اور ایک لمبی مدت تک وہ اس راہ پر چلنے کے خوگر ہو جائیں۔ تو ایسے طبائع کو دینی اور روحانی قوت کے بغیر محض قانونی قوت سے راہ پر لانا دشوار ہے۔

آٹھواں معیار۔ "معقولیت"

فطرت انسانی کا امتیازی وصف عقل ہے۔ جس کے ذریعہ سے انسان صحیح اور غلط میں فرق کرتا ہے۔

اور حق کو باطل سے ممتاز کرتا ہے۔ عقل فطرت انسانی کی طرح عالمگیر ہے۔ اس لیے خالق فطرت انسانی نے انسان کے لیے جو دین عالمگیر متعین کیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اس دین کے اصول معقول اور موافق عقل انسانی ہوں تاکہ انسان اس کو قبول کر سکے۔ لیکن اسلام کے سوا جس قدر مذاہب و ادیان ہیں ان میں یا تو عاجز اور مخلوق انسان کو خدا بنا دیا گیا ہے۔ یا خدائی میں ان کو شریک کر دیا گیا ہے۔ بدھ مذہب میں مہاتما بدھ، اور ہندو مذہب میں برہما، وشنو، اور مہا دیو کا بھی تصور رہے۔ بلکہ ان کے سوا لاکھوں اور کروڑوں دیوتاؤں کو بھی خدائی درجہ پر فائز کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس ان ہستیوں کو خدا کے اس عظیم منصب پر فائز کرنے کا نہ صرف یہ کہ کوئی عقلی ثبوت نہیں۔ بلکہ ان کے خلاف عقلی دلائل موجود ہیں۔ تقریباً یہی یہودیت اور مسیحیت میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ یہودیت نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں اور مسیحیت نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہی تصور پیش کیا ہے۔ یہودیت میں خدائی اس قدر دور از عقل ہے کہ ادنے سمجھ بوجھ کا انسان بھی اس کے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مثلاً یہ کہ یعقوب سے صبح صادق تک تمام رات خدا کشتی لڑتا رہا اور صبح کو جب جانا چاہا تو یعقوب نے بغیر برکت لیے جانے نہ دیا" (تورات پیدائش باب ۳۲۔ آیت ۲۴) یا مثلاً یہ کہ خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا۔ اور نہایت دلگیر ہوا۔ (تورات پیدائش۔ درس ۵-۶)۔

کیا خدا کے متعلق یہ تصور کوئی معقول تصور ہو سکتا ہے۔ یا عقل کبھی اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔ مسیحی الہٰیات کا یہ تصور کہ حضرت مسیح خدا بھی تھے اور پھر بھی یہودیوں کے ہاتھوں سولی پر چڑھائے گئے۔ اور "ایلی ایلی لما سبقتنی" کہہ کہہ کر زار و قطار روتے رہے۔ دو متضاد باتوں کا ایک نامعقول مجموعہ ہے۔ اس طرح حضرت مسیح کو خوراک اور کھانے پینے، اور دیگر ضروریات زندگی کا محتاج مان کر پھر بھی ان کو خدا تسلیم کرنا انتہائی نامعقول بات ہے۔ اس کے علاوہ باپ بیٹا، روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان کر یہ کہہ دینا کہ تین ایک ہے اور ایک تین ہے۔ حالانکہ مسیحی دو ایک یا چار کا ایک ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ یہ فیاضی انھوں نے صرف تین کے عدد کے لیے مختص کر دی ہے کہ وہ تین بھی ہے اور ایک بھی ہے۔ اور جب ان سے اس کی حقیقت پوچھی جاتی ہے تو وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ مسئلہ عقل سے بالاتر ہے۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل سے بالاتر ہونے کی بجائے عقل کے خلاف ہے۔ پھر تین خداؤں کا تثلیثی تصور اگر ایسا ہے کہ جس میں ہر ایک کی شخصیت محفوظ ہو تو تین کے تین رہے۔ اس کو واحد کہنا غلط ہے۔ اور اگر تینوں شخصیتیں ختم ہو کر ایک وحدت میں منتقل ہوئیں تو وحدت رہی تثلیث نہ رہی۔ بہر حال خدائی حقیقت کو بیک وقت ایک اور تین کہہ دینا خلاف عقل ہے۔ اور پھر نظام عالم چلانے کے لیے ان تینوں میں سے اگر ایک کافی ہے تو باقی دو فضول رہے۔ اور اگر ایک کافی نہیں جب تک

تینوں نہ مل جائیں تو ہر ایک کے لیے جداگانہ خدائی کا تصوّر غلط ہے۔ بہر حال مسیحی تثلیث قطعاً خلافِ عقل ہے۔ اور جس مذہب کا بنیادی عقیدہ عقل انسانی کے خلاف ہو وہ کیونکر عالمگیر مذہب ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نظامِ عالم کی وحدت و یکسانیت صاف ظاہر کر رہی ہے کہ صرف ایک ہی قوت قاہرہ اس نظام کو چلا رہی ہے۔

نواں معیار۔ "ربطِ دنیا و آخرت"

انسان کو دنیا میں کچھ مدت رہ کر آخرت کی طرف جانا ہے۔ دنیا کی محدود زندگی اس کی شرافت و کرامت کے ظہور کے لیے کافی نہیں ورنہ اس کی شرافت خاک میں مل جائے گی۔ اور حیوان مطلق پر اس کو فوقیت حاصل نہ ہو گی۔ بلکہ حیوان مطلق زیادہ کامیاب نظر آئے گا۔ کیونکہ وہ ایسی زندگی گزار رہا ہے کہ اس میں نہ غم ماضی ہے اور نہ فکرِ فردا۔ لیکن انسان قوتِ شعور کی وجہ سے دن رات گذشتہ احزان اور مستقبل کے خطرات میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ انسان کے لیے ایسا مقام حیوٰۃ ہو جو سراپا مسرت ہو۔ اور جس میں غم کا نام و نشان نہ ہو۔ اور خطرات سے پاک ہو۔ نہ خطرہ مرض ہو اور نہ اندیشۂ مرگ تاکہ اس مقام پر پہنچ کر انسان کی فوق العالم شرافت و کرامت کا ظہور ہو اور وہی مقام آخرت ہے۔ جو انسانی حیات کی آخری منزل ہے۔ اور دنیاوی منزل اس اخروی حیات کے اکتساب اور تحصیل کا ایک ذریعہ ہے۔ انسانی فطرت میں انجام بینی کا جذبہ اس اخروی تصوّر کا آئینہ دار ہے۔

دنیا میں انسان کا ٹھکانا زمین ہے۔ اور آخرت میں اس کا مقام عالم بالا ہے۔ چونکہ بدن انسانی ارضی ہے۔ اور روح انسانی سماوی۔ لہٰذا انسان کا ابتدائی مقام سفلی اور آخری مقام علوی ہونا ضروری ہوا۔

اس حقیقت کے پیش نظر صحیح فطری اور عالمگیر دین وہ ہو گا جس میں نہ ترک دنیا کی تعلیم ہو اور نہ ترک آخرت کی۔ بلکہ اس میں دونوں کا حسین امتزاج موجود ہو۔

تاریخ ادیان اور تعلیمات مذاہب سے یہ حقیقت نمایاں ہے کہ موجودہ مسیحی دین میں دین اور دنیا کے تضاد کا تصوّر موجود ہے۔ اور اس میں اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے نکل جانا ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن دنیا دار اور امیروں کا دیندار ہونا ممکن نہیں۔ اس لیے صحیح مسیحی ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام تعلقات دنیا کو ترک کیا جائے اور نکاح و اولاد اور ذرائع رزق کے تمام دھندوں سے الگ ہو کر سخت سے سخت ریاضتوں کی تکلیفات کو جھیل کر خدا کو پانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ گویا مسیحی ہونے کے لیے دنیا سے الگ ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ تھی کہ چونکہ ایسا مذہب دنیا کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا۔ اس لیے یورپ کے مسیحیوں نے دین اور دنیا کی تفریق کی راہ اختیار کی۔ اور مسیحیت کو صرف دین کی رہنمائی کے لیے مختص کر دیا اور دنیا کی رہنمائی کے لیے عقل کی ایجاد کردہ راہ پر چلے۔

درحقیقت خدا کی طرف سے بذریعہ انبیاء علیہم السلام جتنے ادیان آئے وہ دین و دنیا کے جامع تھے۔ اور ان میں قطعاً دین و دنیا کی جدائی کی تعلیم نہ تھی۔ اور نہ ہی دین و دنیا کو ایک دوسرے کا مخالف اور ضد تبلایا گیا تھا۔ لیکن چونکہ اسلام کے سوا کوئی سماوی دین اصلی شکل میں محفوظ نہیں رہا۔ بلکہ انسانی تحریف و تبدیل کا شکار ہوگیا۔ اور دیدہ دانستہ قصداً اس کو ایسی شکل دے دی گئی جو دنیا میں پنپنے کے قابل نہ ہو تاکہ آسانی کے ساتھ اس کو انسان کی دنیوی زندگی سے خارج کیا جاسکے۔ اب ظاہر ہے کہ موجودہ شکل میں مسیحی دین دنیوی زندگی کے لیے قابل عمل نہیں رہا۔ چہ جائیکہ وہ دین عالمگیر ہونے کا حقدار ہو سکے۔ اس کے برخلاف اسلام نے صاف اعلان کیا کہ وہ دین و دنیا کا جامع ہے۔ اور انسانی فطرت کے مطابق اس کا مقصد دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی ہے۔ قرآن مجید میں ہے "وَانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" تم کو دنیا و آخرت دونوں کی سربلندی اور کامیابی نصیب ہوگی بشرطیکہ تم مؤمن کامل بنو۔ قرآن میں ایک دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ "ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة" الآیۃ جس میں دنیا و آخرت دونوں کے فوائد کی تحصیل کی دعا سکھائی گئی ہے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ دنیا کی تحصیل میں ایسی کوشش کرو کہ گویا تمھیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور آخرت کے لیے ایسی کوشش کرو کہ گویا تم کو کل ہی دنیا سے آخرت کی طرف جانا ہے۔

بیہقی کی حدیث ہے کہ اسلامی عبادات کے بعد سب سے بڑا فرض مسلمان کے لیے رزق حلال کا کمانا ہے۔ ترقی دنیا کی انتہائی شکل حکومت ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ ایمان اور عمل صالح پر قائم رہے تو اللہ تعالےٰ ان کو مضبوط حکومت عطا فرمائے گا "وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض" الآیۃ

دنیوی ترقی اور حکومت کا مدار فوجی قوت اور آلات حرب پر ہے۔ اور اسلام نے اس کو فرض قرار دیا "واعدوا لھم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل" الآیۃ۔ دنیوی ترقی کا مدار اتحاد پر ہے۔ اسلام نے اس کو بھی فرض قرار دیا۔ "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً" ط" دنیوی برتری کا سب سے بڑا ذریعہ جہاد ہے۔ اسلام نے اس کو بھی فرض ٹھہرایا "وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ"

اسلام کی چار عبادات میں سے دو عبادتیں یعنی زکوٰۃ و حج صرف اغنیا اور مالدار مسلمانوں سے متعلق ہیں جس سے اس مقصد کا اظہار مقصود ہے کہ تم مال کما کر ان دونوں عبادات کو بجالاؤ۔ خود مال کو قرآن نے خیر اور فضل اللہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ "ان ترک خیرا الوصیة" "وابتغوا من فضل اللہ" بہرحال اسلام میں دنیاوی حیات کے ہر گوشے کے متعلق مکمل احکام موجود ہیں۔ اور اس حکیمانہ انداز کے ساتھ موجود ہیں کہ

دورِ حاضر کے عقلاء دنگ رہ جاتے ہیں۔ اس لیے دنیا میں انسانوں کے لیے اگر کوئی عالمگیر دین ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔

دین عالمگیر کا دسواں معیار۔ "دوامِ دین ومحفوظیت"۔

جو دین کہ اس کا بقاء دوامی نہ ہو۔ اور نہ اصلی شکل میں محفوظ ہو۔ وہ عالمگیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو دین ایک خاص وقت تک باقی رہے۔ اور پھر اپنا وجود کھو دے۔ وہ دین عالمگیر کیونکر ہوگا۔ اب چونکہ اسلام ہر دور میں باقی ہے۔ اس لیے عالمگیر دین بھی ہر دور میں باقی اور محفوظ ہونا چاہیے۔

مسیحی دین کا مدار انجیل پر ہے۔ جو محفوظ نہیں نہ سینوں میں نہ کاغذات میں۔ انجیل کے حفاظ نہ پہلے موجود تھے اور نہ اب موجود ہیں۔ حفاظت کا بنیادی ذریعہ درحقیقت یہی تھا جو بغیر قرآن حکیم کے کسی آسمانی کتاب کو نصیب نہ ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس زبان میں انجیل نازل ہوئی تھی یعنی "عبرانی" اس زبان کا کوئی اصلی نسخہ روئے زمین پر موجود نہیں۔ اور جو عبرانی نسخہ ہے وہ یونانی نسخہ کا ترجمہ ہے۔ اس بناء پر اصلی کتاب گم ہے۔ اور عبرانی زبان بھی زندہ زبان نہیں رہی۔ اب جو بعد کی بنائی ہوئی انجیل ہیں وہ چار ہیں۔ اور اصل انجیل ایک تھی۔ لیکن ان کی تحریف کا بھی یہ حال ہے کہ حقانی نے بحوالہ مسٹر "مل" نقل کیا ہے کہ "عہد جدید کے نسخے مقابلہ کیے تو تیس ہزار اختلاف پائے گئے"۔ ڈاکٹر "گریباخ" نے اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا۔ یعنی تین سو پچپن نسخوں کا تو ڈیڑھ لاکھ اختلاف ملے"۔ پادری فنڈر، اختتام مباحثہ دینی' مطبوعہ اکبر آباد میں لکھتے ہیں کہ "کتاب کی غلطیاں بہت ہیں۔ اور ہر حال میں تمام یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ صحیح کون ہے"۔

ہارن صاحب اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں لکھتے ہیں "بلاشک بعض خرابیاں (تحریفات) جان بوجھ کر بعض لوگوں نے کی ہیں۔ جو دیندار مشہور تھے اور اس کے بعد انھیں تحریفات کو ترجیح دی جاتی تھی تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے اوپر نہ آنے دیں"۔

"انجیل متی" کا باب اول و دوم ڈاکٹر ولیمن وغیرہ کے نزدیک الحاقی ہے۔

"مرقس" کی انجیل کے اصل نسخہ کا کوئی پتہ نہیں۔ البتہ یونانی ترجمہ موجود ہے۔

"انجیل لوقا"۔ لوقا معلوم نہیں کہ کون تھا۔ کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں۔ اس کی اصلی زبان کا بھی پتہ نہیں کہ کس زبان میں لکھی گئی تھی۔

عیسائی محققین کی رائے ہے کہ "انجیل یوحنا" مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف

ہے۔ (”حقائق“ ج ۷، ص ۱۰۱ تا ۱۰۵)

کیا ایسا مشکوک، مبہم اور محرّف دین عالمگیر ہو سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام کا یہ حال ہے کہ قرآن آغازِ نزول سے اب تک حافظہ اور تحریر دونوں صورتوں میں محفوظ رہا۔ اور اب تک ہے۔ اور ایک زبر یا زیر کا فرق ہو جائے تو لاکھوں حافظ چلاّ اٹھتے ہیں کہ یوں نہیں یوں ہے۔ تمام عالم کے قرآن کے نسخے یکساں رہے ہیں۔ اور کوئی فرق ان میں کسی دور میں نہیں پایا گیا۔ یہی قرآن کے دوام اور محفوظیت کی واضح دلیل ہے جو اسلام کے عالمگیر ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔